ٹیلیفون نمبر ۹۱ — رجسٹرڈ ایل نمبر

اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ ✻ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا

الفضل

قادیان — خطبہ نمبر ۳۰

یوم — چہارشنبہ

جلد ۳۱ | ۱۷ ماہ نبوت ۱۳۲۲ ہش | ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۶۲ھ | ۱۷ نومبر ۱۹۴۳ء | نمبر ۲۷

مدینۃ المسیح

قادیان ۱۵ ماہ نبوت سیدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے متعلق ۸ بجے شب کی ڈاکٹری رپورٹ مظہر ہے۔ کہ حضور کی طبیعت خدا تعالیٰ کے فضل سے اچھی ہے۔ الحمد للہ

حضرت ام المومنین مدظلہا العالی کو پنڈلی پر پھوڑے کی وجہ سے تکلیف ہے۔ احباب حضرت ممدوحہ کی صحت کے لئے دعا کریں۔

حضرت خلیفہ اوّل رضؓ کے خاندان میں بفضلِ خدا خیرو عافیت ہے۔

جو مبلغین لدھیانہ کے جلسہ میں شمولیت کے لئے گئے تھے۔ وہ واپس آ گئے ہیں۔

جو دیہاتی مبلغین تحریک جدید قریب کے علاقہ میں جڑی بوٹیوں کی تحقیق کیلئے گئے تھے وہ بھی واپس آ گئے ہیں ٭

Digitized by Khilafat Library Rabwah

خطبہ جمعہ

جماعت احمدیہ میں خدام الاحمدیہ، انصار اللہ اور لجنہ اماء اللہ کے قیام کی ضرورت اور اہمیت

از حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز

فرمودہ ۲۲ ماہ اخاء ۱۳۲۲ ہش مطابق ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۳ء

(مرتبہ مولوی محمد یعقوب صاحب مولوی فاضل)

سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کے کام کو چلانے کے لئے

دو قوتیں

پیدا کی ہیں۔ اور اُن دو قوتوں کے پیدا کرنے کا سبب یہی ہے۔ کہ ایک قوت دوسری قوت کی نگران ہوتی ہے۔ جب ایک میں کوئی کمزوری پیدا ہو جاتی ہے۔ خواہ جان کر یا نہ جانتے ہوئے۔ تو دوسری طاقت اپنے آپ کو نمایاں کرنا شروع کر دیتی ہے۔ ان دو قوتوں میں سے ایک قوت تقدیر کی ہے۔ اور ایک قوت تدبیر کی ہے۔ خدا تعالیٰ کا کوئی فعل نہ جانتے ہوئے نہیں ہوتا۔ اس لئے تقدیر خاص تو جب کبھی دنیا سے اپنا پیر تو ہٹاتی ہے۔ کسی مصلحت کے ماتحت ہٹاتی ہے۔ لیکن تدبیر کبھی جانتے ہوئے ہٹ جاتی ہے۔ اور کبھی نہ جانتے ہوئے ہٹ جاتی ہے۔ اور اس طرح دنیا کا کام صحیح طور پر چلتا چلا جاتا ہے۔ کبھی دنیا پر ایسا زمانہ آتا ہے۔ کہ لوگ تدبیر کو روحانیت کی ترقی اور اس کی درستی کے لئے بالکل چھوڑ دیتے ہیں۔ مثلاً

روحانیت کی درستی کیلئے نماز کی ضرورت

ہے۔ مگر لوگ یا تو بہت ہی کم نمازیں پڑھتے ہیں اور جو پڑھتے ہیں وہ بھی ریا اور ظاہرداری کے لئے پڑھتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول اور اس کی محبت کو حاصل کرنے کے لئے نمازیں نہیں پڑھتے۔ روحانیت کی درستی کے لئے

روزوں کی ضرورت

ہے۔ مگر لوگ یا تو روزہ رکھنے میں سست ہو جاتے ہیں۔ یا دکھاوے کے لئے روزے رکھتے ہیں۔ یا روزے تو رکھتے ہیں۔ مگر ان کے روزے صرف بھوک اور پیاس کی تکلیف ہی کہلا سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ روزوں کا انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ روزہ رکھنے کے باوجود وہ جھوٹ بول لیتے ہیں۔ وہ لڑائی جھگڑوں میں حصہ لیتے ہیں وہ ایک دوسرے کو گالیاں دیتے ہیں۔ وہ فساد کرتے ہیں۔ وہ غیبت میں حصہ لیتے ہیں۔ اور اس لئے نہیں کہا جا سکتا۔ کہ ان کا روزہ، روزہ ہے۔ وہ باوجود روزہ رکھنے کے خدا تعالیٰ کے حضور روزہ دار نہیں ہوتے۔ اور یا پھر لوگ روزہ رکھتے ہی نہیں۔

زکوٰۃ

انسان کے نفس کی پاکیزگی اور اس کے قلب کے تزکیہ کے لئے ایک نہایت ہی ضروری چیز ہے۔ مگر ایک زمانہ ایسا آجاتا ہے۔ جبکہ لوگ یا تو زکوٰۃ دیتے ہی نہیں۔ اور اگر دیتے ہیں۔ تو اُسے اپنے دنیوی مقاصد کو پورا کرنے کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ اور یہ دونوں صورتیں ایسی ہیں جو ان کو نیکی سے محروم رکھتی ہیں۔ یعنی یا تو وہ ایسا کرتے ہیں۔ کہ اپنے مال کو زکوٰۃ دینے کے بغیر حرام مال بنا لیتے ہیں۔ اور یا اگر دیتے ہیں۔ تو اس زکوٰۃ کو ایسی طرز پر تقسیم کرتے ہیں جس میں ان کی نفسانی خواہشات کا دخل ہوتا ہے۔ مثلاً کسی سکول کے لئے چندہ کی تحریک ہوئی۔ تو ہزار دو ہزار روپیہ دیدیا۔ اس پر لوگ بڑے جوش سے اعلان کرتے ہیں کہ فلاں سکول کے لئے فلاں تاجر صاحب نے دو ہزار روپیہ چندہ دیا۔ حالانکہ وہ زکوٰۃ کا روپیہ ہوتا ہے۔ اور ان کا کوئی حق ہی نہیں ہوتا۔ کہ وہ اُسے اپنی ذاتی خواہشات کو پورا کرنیکا ذریعہ بنائیں۔ وہ غرباء کا مال ہوتا ہے۔ اور غرباء کی طرف ہی لوٹائے جانے کا اسلام حکم دیتا ہے۔ تاکہ مال کو پاکیزگی حاصل ہو۔ اور ان کا نفس تزکیہ حاصل کرے۔ مگر بجائے اس کے کہ وہ زکوٰۃ کو اپنے مال یا اپنے قلب کی پاکیزگی کا ذریعہ بنائیں۔ وہ اسے اپنی عزت بڑھانے کا ایک ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ یا زکوٰۃ کا مال تو الگ کر لیتے ہیں۔ مگر ان کے دل میں یہ ارادہ مخفی ہوتا ہے کہ کبھی ڈپٹی کمشنر سے ملے اور اُس نے چندہ کی تحریک کی۔ تو اس موقعہ پر اس روپیہ میں سے ایک خاص رقم دے دیں گے۔ اور اس طرح عزت اور شہرت میں اضافہ ہو گا۔ حالانکہ زکوٰۃ غرباء کے لئے ہوتی ہے۔ اس لئے نہیں ہوتی۔ کہ اس روپیہ کو انسان اپنی ذاتی اغراض کے لئے استعمال کرے۔ مگر انہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ ڈپٹی کمشنر تحریک کرتا ہے۔ اور وہ چندہ میں ایک بہت بڑی رقم دینے کے بعد اس سے یہ درخواست کر دیتے ہیں۔ کہ حضور ہماری "خان صاحب" یا "خان بہادر" کے خطاب کے لئے یا فلاں ٹھیکہ کے لئے سفارش کر دی جائے۔ ہم نے گورنمنٹ کی اس قدر خدمت سرانجام دی ہے۔ حالانکہ وہ روپیہ جس کی بناء پر گورنمنٹ کی خدمت کا انہیں دعویٰ ہوتا ہے۔ ان کا ہوتا ہی نہیں غرباء کا روپیہ ہوتا ہے۔ اور یا پھر اس روپیہ کو وہ پبلک میں اپنی عزت بڑھانے کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً کبھی کوئی انجمن اسلامیہ ہوئی۔ اور اسکے پریذیڈنٹ یا سکرٹری یا مربی بننے کا سوال زیر غور ہوا۔ تو زکوٰۃ کے روپیہ میں سے دو ہزار روپیہ اُس انجمن اسلامیہ کو دے دیا۔

ابدی جنت

رُوحِ انسانی کی پا سکتا ہے کب وسعت کوئی؟
کیا سمجھ سکتا ہے اسکی بھوک کی شدت کوئی؟
مثلِ دوزخ نفس بھی ہے چیختا ھَلْ مِنْ مَّزِیْد
پیٹ اس کا بھر نہیں سکتا بجز جنت کوئی
(محمد اسمٰعیل)

ایڈیٹر — غلام نبی

بھائی عبد الرحمن صاحب قادیانی پرنٹر و پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس قادیان میں چھاپا اور دفتر الفضل قادیان سے شائع کیا۔

اور پھر مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے کہنا شروع کر دیا۔ کہ ہمیں اسلام کی خدمت کا کس قدر احساس ہے۔ ہم نے اپنے دن رات کی محنت سے کمایا ہوا روپیہ انجمن کے سپرد کر دیا حالانکہ مقصد یہ ہوتا ہے۔ کہ پبلک میں ان کی عزت بڑھے۔ اور لوگ یہ کہنا شروع کر دیں۔ کہ فلاں میر صاحب یا فلاں مرزا صاحب یا فلاں چوہدری صاحب نے دو ہزار روپیہ انجمن اسلامیہ کو دے دیا۔ حالانکہ وہ روپیہ اس میر یا مرزا یا چودھری کا تھا ہی نہیں۔ وہ تو بہر حال اس نے دینا ہی تھا۔ اور دینا بھی غرباء کو تھا۔ مگر بجائے اس کے کہ اسے اس مقام پر خرچ کیا جاتا۔ جس مقام پر خرچ کرنے کا اسلام نے حکم دیا ہے۔ وہ اس روپیہ کو دنیوی وجاہت اور اعزاز حاصل کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اول تو پھر دیتے ہی نہیں۔ اور یا اس قسم کی ٹھگیاں کرتے ہیں۔ جو نہایت ہی قابل شرم ہوتی ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ

ایک سیٹھ صاحب

تھے۔ میں ان کے متعلق یہ سمجھا کرتا تھا۔ کہ وہ زکوٰۃ دیا کرتے ہیں۔ مگر مجھے لوگوں نے بتایا۔ کہ وہ زکوٰۃ کہاں دیتا ہے۔ وہ تو دھوکا بازی کرتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے بتایا۔ کہ جب زکوٰۃ دینے کا وقت آتا ہے۔ تو وہ زکوٰۃ کا تمام روپیہ ایک گھڑے میں بھر دیتا ہے۔ مثلاً دو ہزار یا تین ہزار یا چار ہزار زکوٰۃ کا روپیہ ہوا۔ تو وہ سب روپیہ ایک گھڑے میں بھر دیا۔ اور اس کے اوپر دانے ڈال دیئے۔ اس کے بعد وہ کسی غریب طالب علم کو بلاتا اسے نہایت اچھا کھانا کھلاتا۔ اور جب وہ کھانا کھا کر فارغ ہو جاتا تو اسے کہتا۔ اس گھڑے میں جو کچھ ہے۔ یہ میں نے آپ کی ملکیت میں دے دیا ہے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد کہتا۔ آپ یہ گھڑا اٹھا کر کہاں لے جائیں گے۔ اسے واپس میرے پاس ہی فروخت کر دیجئے۔ فرمایئے آپ اس کی کیا قیمت لیں گے۔ طالب علم بھی اپنے ذہن میں اندازہ لگا لیتا۔ کہ کتنی قیمت میں مانگوں گا۔ تو مل جائے گی۔ اور کتنی قیمت مانگوں گا تو مجھے دھکے دیکر باہر نکال دیا جائے گا۔ اسے علم ہوتا۔ کہ اس گھڑے میں ہزاروں روپے ہیں۔ مگر وہ کیا کر سکتا تھا۔ آخر یہی کہتا۔ کہ میں پانچ یا دس روپے میں یہ گھڑا آپ کے پاس فروخت کرتا ہوں۔ چنانچہ پانچ یا دس جتنے روپے وہ مانگتا اتنے روپے اسے دے دیتا۔ اور گھڑا اٹھا کر گھر میں رکھ لیتا۔ اور جب کوئی کہتا۔ کہ آپ نے زکوٰۃ کا مال تو پھر اپنے گھر میں رکھ لیا ہے۔ تو وہ کہتا یہ مال تو میں نے خریدا ہے۔ زکوٰۃ میں نے دے دی تھی۔

تو وہ تمام ذرائع جو اللہ تعالےٰ نے قومی پاکیزگی کے لئے یا دل کی پاکیزگی کے لئے یا دماغ کی پاکیزگی کیلئے یا خیالات کی پاکیزگی کیلئے یا افکار کی پاکیزگی کے لئے مقرر کئے ہیں ان کو لوگ چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ اور اپنے نفس کی خرابی اور گندگی کی وجہ سے خدا تعالےٰ سے دور ہو جاتے ہیں۔ تب

خدا تعالےٰ کی تقدیر

جوش میں آتی ہے۔ اور وہ اپنے کسی مامور اور مرسل کو لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث فرماتا ہے۔ وہ مامور اور مرسل دنیا میں آتا۔ اور تقدیر کے ماتحت لوگوں کو کھینچ کر خدا تعالےٰ کے پاس لے جاتا ہے۔ تب ایک نیا تعلق خدا اور اس کے بندوں کے درمیان پیدا ہو جاتا ہے۔ اس تغیر کے ماتحت پھر دنیا اٹھتی ہے۔ اور تدبیر میں منہمک ہو جاتی ہے۔ مگر میری مراد اس تدبیر سے دنیوی کام نہیں۔ نہ تجارت زراعت یا صنعت و حرفت کے کام مراد ہیں بلکہ میری مراد تدبیر سے یہ ہے۔ کہ نبی کی بعثت کے بعد لوگ روحانی تدابیر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اور پھر ہمیں یہ نظارہ نظر آنے لگتا ہے۔ کہ لوگ

قوم کی اصلاح

میں لگے ہوئے ہیں۔ وہ ان کے افکار کو درست کرتے ہیں۔ وہ ان کے اعمال کو درست کرتے ہیں۔ وہ ان کے اخلاق کو درست کرتے ہیں وہ انہیں ضبط نفس کی تعلیم دیتے ہیں۔ ان پر اللہ تعالےٰ کے نشانات اور اس سے تعلق رکھنے کی برکات ظاہر کرتے ہیں۔ ان کے اندر دین کی محبت پیدا کرتے ہیں۔ اور انہیں

اخلاص اور ایمان

کا ایک نمونہ بناتے ہیں۔ اسی طرح ہمیں یہ نظارہ بھی دکھائی دیتا ہے۔ کہ لوگ نمازوں میں مشغول ہیں۔ روزے رکھتے ہیں۔ حج کرتے ہیں۔ زکوٰۃ دیتے ہیں۔ چندوں کی ادائیگی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ اور کوشش کرتے ہیں۔ کہ ان کا ہر قدم پہلے قدم سے آگے ہو۔ ان کا ہر دن انہیں پچھلے دن سے زیادہ ترقی کے میدان میں بڑھانے والا ہو۔ غرض پھر

تدبیر کا دور

شروع ہو جاتا ہے۔ اور اس تدبیر کے نتیجہ میں دنیا میں ایک عام بیداری پیدا ہو جاتی ہے۔ گویا پہلے تقدیر بیداری پیدا کرتی ہے۔ اور پھر تدبیر بیداری پیدا کرتی ہے۔ پہلے تقدیر میں جوش آکر بندوں اور خدا میں اتصال پیدا کرتی ہے۔ اور پھر تدبیر جوش میں آکر خالق اور مخلوق کو ملا دیتی ہے۔ اس تدبیر کے زمانہ میں بھی گو خدا کے فضل نازل ہوتے ہیں۔ مگر اس دور میں فضل کی بنیاد نیچے سے شروع ہوتی ہے۔ اور اس طرح

خدا اور بندوں کے تعلق کی مثال

وہی ہو جاتی ہے جو ماں اور بچے کے تعلق کی ہوتی ہے۔ کسی وقت بچہ ماں کو یاد کرتا ہے۔ اور کسی وقت ماں بچہ کو یاد کرتی ہے کبھی بچہ ماں کو آکر چمٹ جاتا ہے۔ وہ کھیل رہا ہوتا ہے۔ کہ کھیلتے کھیلتے یکدم اس کے دل میں ماں کی محبت پیدا ہوتی ہے۔ اور وہ سمجھتا ہے۔ کہ مجھے اپنی ماں سے ملے دیر ہو گئی۔ چنانچہ وہ کھیلتا کھیلتا دوڑتے ہوئے آتا ہے۔ اور اپنی ماں کے گلے میں محبت سے ہاتھ ڈال دیتا ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ بچے کو احساس نہیں ہوتا۔ مگر ماں کو احساس ہو جاتا ہے۔ وہ کام کرتی کرتی یکدم اسے چھوڑ دیتی ہے۔ اور ادھر ادھر تلاش کرتی پھرتی ہے۔ کہ اس کا بچہ کہاں گیا۔ اور جب وہ ملتا ہے۔ تو اسے اپنی چھاتی سے چمٹا لیتی ہے۔ یہی مثال عالم روحانی کی ہے۔ کبھی خدا کے دل میں بندوں کی محبت کا جوش پیدا ہوتا ہے۔ اور کبھی بندوں کے دلوں میں خدا کی محبت کا جوش پیدا ہوتا ہے خدا کی محبت کو تقدیر کہا جاتا ہے۔ اور بندے کی محبت کو تدبیر کہا جاتا ہے۔ جس طرح ماں بعض دفعہ محبت سے بے تاب ہو کر بچے کی طرف دوڑتی اور اسے اپنے سینہ سے لگا لیتی ہے۔ اسی طرح کی محبت جب خدا تعالےٰ کی طرف سے پیدا ہو۔ تو اسے تقدیر کہا جاتا ہے۔ اور جب ویسی ہی محبت لوگوں کے دلوں میں خدا تعالےٰ کی پیدا ہو۔ جیسے بچے کے دل میں بعض دفعہ اپنی ماں کی محبت جوش میں آتی ہے۔ تو اسے روحانی دنیا میں تدبیر کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ چلتا ہے اور چلتا چلا جاتا ہے۔ کبھی اس طرف سے اور کبھی اس طرف سے۔ کبھی تقدیر کے زور سے اور کبھی تدبیر کے زور سے اور اس طرح بندوں اور خدا کے تعلق میں کمی واقع ہونے میں نہیں آتی۔ جب انسان خدا تعالےٰ کو بھول جاتا ہے۔ تو خدا تعالےٰ کی

تقدیر جوش میں

آجاتی ہے۔ اور جب خدا تعالےٰ اپنی تقدیر کسی مامور اور مرسل کے ذریعہ ایک دفعہ ظاہر کر دیتا ہے۔ تو گو وہ بندوں کو بھولتا نہیں۔ مگر اس کی بعض صفات میں ایک قسم کا سکون واقعہ ہو جاتا ہے اس وقت بندوں کی طرف سے تدبیر شروع ہو جاتی ہے۔ یہ قانون دنیوی قانون میں سے ڈیماکرسی سے ملتا ہے۔ یعنی حکومت ہوتی تو ویسی ہی ہے۔ جیسے اور حکومتیں۔ اس حکومت کے جو ذمہ دار افراد ہوتے ہیں۔ وہ بھی ویسے ہی قانون بناتے ہیں۔ جیسے اور حکومتیں قانون بناتی ہیں۔ وہ بھی اپنے قوانین کا ویسی ہی سختی سے نفاذ کرتے ہیں۔ جیسے اور افراد حکومت اپنے قوانین کا سختی سے نفاذ کرتے ہیں۔ غرض ظاہری لحاظ سے قانون کی تشکیل اور اس کے نفاذ کے لحاظ سے اس حکومت کو دوسری حکومتوں سے کوئی امتیاز حاصل نہیں ہوتا۔ اگر کوئی امتیاز ہوتا ہے۔ تو یہ کہ عوام یہ نہیں سمجھتے۔ کہ یہ کسی غیر کی حکومت ہے۔ بلکہ وہ سمجھتے ہیں۔ یہ

ہماری حکومت

ہے۔ اور اس کی خرابی ہماری خرابی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ ادھر حاکم دن رات ایسی تدابیر میں مشغول رہتے ہیں۔ جن کے ماتحت ان کے قوم کے افراد کی ترقی ہو۔ انہیں عزت حاصل ہو۔ ان کے رتبہ اور ان کی وجاہت میں زیادتی ہو۔ اور دوسری طرف عوام اس بات کے نگران ہوتے ہیں۔ کہ کہیں ان کے حاکم سست نہ ہو جائیں۔ اور اس طرح انکی حکومت انکے لئے فائدہ رساں ہونے کی بجائے مہلک اور ضرر رساں نہ ہو جائے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

غرض دونوں ایک دوسرے کے نگران ہوتے ہیں۔ حکام عوام کے نگران ہوتے ہیں۔ اور عوام حکام کے نگران ہوتے ہیں۔ اگر کبھی حاکموں میں سے کوئی حاکم غافل ہو جائے یا سست ہو جائے۔ یا ایسا حاکم مقرر ہو جو حکومت کے لحاظ سے اس کا اہل نہ ہو۔ تو عوام میں شور پڑ جاتا ہے۔ کہ ہماری حکومت یوں کیوں کر رہی ہے۔ یوں کیوں نہیں کرتی اور جب عوام سست ہو جائیں۔ تو حکام ان کی سستی کو دُور کرنے کے لئے موجود ہوتے ہیں۔ یہ نظارہ بھی وہی ہوتا ہے۔ جسے

روحانی دنیا میں تقدیر اور تدبیر

کا نام دیا جاتا ہے۔ جیسے کبھی تدبیر کا زور ہوتا ہے۔ اور کبھی تقدیر کا زور ہوتا ہے۔ اسی طرح چونکہ ایسی حکومت درحقیقت عوام کی حکومت ہوتی ہے۔ اس لئے جب حکومت میں کوئی نقص پیدا ہو جاتا ہے۔ تو عوام الناس میں جوش پیدا ہو جاتا ہے۔ اور جب عوام میں کوئی نقص پیدا ہو۔ تو حکومت اس نقص کے ازالہ کے لئے مستعد ہو جاتی ہے۔ اس طرح وہ دونوں ایک دوسرے کو جگانے اور بیدار رکھنے کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ اور درحقیقت یہ تقدیر اور تدبیر کا ہی ایک مظاہرہ ہے۔ جو دنیا میں اس رنگ میں دکھائی دیتا ہے۔

اسی نکتہ کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے جماعت میں

خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ کے قیام کی تحریک

کی تھی۔ یوں تو جماعت کی اصلاح خلیفہ کے ذمہ ہے۔ اور یا پھر خلیفہ کے نائب جو ناظر وغیرہ ہیں ان کے ذمہ ہے۔ مگر دنیا میں یہ ہمیں قانون قدرت دکھائی دیتا ہے۔ کہ کبھی ایک پر نیند آجاتی ہے۔ اور کبھی دوسرے پر نیند آجاتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک الہام

بھی اس حقیقت پر روشنی ڈالتا ہے۔ آپ کا الہام ہے افطر و اصوم (تذکرہ صفحہ ۸۰۵) اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ میں کبھی افطار کرتا ہوں۔ اور کبھی روزہ رکھتا ہوں۔ اب واقعہ یہ ہے۔ کہ خدا نہ روزہ رکھتا ہے نہ افطار کرتا ہے۔ مگر الہام یہ بتاتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ روزہ بھی رکھتا ہے اور افطار بھی کرتا ہے۔ پس درحقیقت اس الہام کا بھی وہی مفہوم ہے۔ جس کی طرف میں نے ابھی اشارہ کیا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کبھی ایسا زمانہ آتا ہے۔ کہ میری صفات جوش میں آجاتی ہیں۔ اور میں خود لوگوں کے دلوں میں اپنی محبت پیدا کرنے کے لئے تقدیر کو عمل میں لاتا ہوں۔ اور کبھی ایسا زمانہ آتا ہے۔ کہ میں اپنی ان صفات کو ٹھہرا دیتا ہوں۔ اور بندہ جوش میں آکر میری ملاقات کے لئے تدابیر اور جدوجہد میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انسانی حکومتوں میں بھی کبھی ایک طرف غفلت طاری ہو جاتی ہے۔ اور کبھی دوسری طرف غفلت طاری ہو جاتی ہے۔ تب جو حصہ بیدار ہوتا ہے۔ وہ غافل حصہ کو چست اور ہوشیار کرنے میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اور جب کسی دوسرے وقت وہ چست اور ہوشیار حصہ غافل ہو جاتا ہے۔ تو جو حصہ بیدار ہو چکا ہوتا ہے۔ وہ اس کی غفلت کو دُور کرنے میں حصہ لینے لگ جاتا ہے۔ جب تک کسی قوم میں یہ دونوں حصے متوازی اور ایک دوسرے کے بالمقابل نہ ہوں۔ اس وقت تک وہ قوم کبھی

لمبی زندگی

حاصل نہیں کر سکتی۔ زندگی تو اسے ملتی ہے۔ مگر دو متوازی اور متقابل حصوں کے نہ ہونے کی وجہ سے وہ بہت جلد مر جاتی ہے۔ مثلاً جس قوم میں سارا انحصار حاکموں پر ہو۔ اس قوم کے افراد بھی بہت جلد مر جاتے ہیں۔ کیونکہ کبھی حکام بھی سست ہو جاتے ہیں۔ اور جس قوم میں سارا انحصار عوام پر ہوتا ہے۔ اس قوم کے افراد بھی بہت جلد مر جاتے ہیں۔ کیونکہ کبھی عوام بھی غافل سست اور لاپروا ہو جاتے ہیں۔ اور ان کو بیدار کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ ان کی نیند مبدّل بہ موت ہو جاتی ہے۔ لیکن جب کوئی قوم یا جماعت یہ سمجھتی ہو۔ کہ ایسے حکام مقرر ہونے چاہئیں۔ جو اپنے فرائض اور ذمہ واریوں کو بخوبی سمجھنے والے ہوں۔ اور دوسری طرف افراد یہ سمجھتے ہوں۔ کہ ان پر قومی لحاظ سے کیا کیا ذمہ واریاں عائد ہیں۔ اور یہ کہ بعض افراد کو اگر حکومت کا کام سپرد کیا گیا ہے۔ تو اس لئے نہیں۔ کہ حکومت ان کا حق ہے۔ بلکہ اس لئے کہ وہ حکومت کے دوسروں کی نسبت زیادہ اہل ہیں۔ پس ان کی حکومت اپنے اندر نیابتی رنگ رکھتی ہے۔ اور ہمارا فرض ہے۔ کہ اگر کسی وقت وہ غافل ہو جائیں۔ تو ہم ان کو بیدار کریں۔ کیونکہ حکومت ہماری ہے۔ تو ایسی صورت میں وہ قوم زندہ رہتی ہے۔ اور موت کا دن اس سے زیادہ سے زیادہ دور ہوتا چلا جاتا ہے۔ عوام سست ہوں۔ تو حکام ان پر نگرانی کے لئے موجود ہوتے ہیں۔ اور حکام سست ہوں۔ تو عوام ان پر نگرانی کے لئے موجود ہوتے ہیں۔ اسی نکتہ کو مدنظر رکھ کر میں نے جماعت میں خدام خلق اور انصار اللہ دو الگ الگ جماعتیں قائم کیں۔ کیونکہ میں سمجھتا ہوں۔ ایسا ہو سکتا ہے۔ کہ کبھی حکومت کے افراد سست ہو جائیں۔ اور ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ کہ کبھی عوام سست ہو جائیں۔ عوام کی غفلت اور ان کی نیند کو دور کرنے کے لئے

جماعت میں ناظر وغیرہ

موجود تھے۔ مگر چونکہ ایسا بھی ہو سکتا تھا۔ کہ کبھی ناظر سست ہو جائیں۔ اور وہ اپنے فرائض کو کماحقہ ادا نہ کریں۔ اس لئے ان کی بیداری کے لئے بھی کوئی نہ کوئی جماعتی نظام ہونا چاہیئے تھا۔ جو ان کی غفلت کو دور کرتا۔ اور اس غفلت کا بدل جماعت کو مہیا کرنے والا ہوتا۔ چنانچہ خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ اور لجنہ اماء اللہ اسی نظام کی دو کڑیاں ہیں۔ اور ان کو اسی لئے قائم کیا گیا ہے۔ تاکہ وہ نظام کو بیدار رکھنے کا باعث ہوں۔ میں سمجھتا ہوں۔ اگر عوام اور حکام دونوں اپنے اپنے فرائض کو سمجھیں تو جماعتی ترقی کے لئے خدا تعالےٰ کے فضل سے یہ ایک نہایت ہی

مفید اور خوشکن لائحہ عمل

ہوگا۔ اگر ایک طرف نظارتیں جو نظام کی قائمقام ہیں عوام کو بیدار کرتی رہیں۔ اور دوسری طرف خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ اور لجنہ اماء اللہ جو عوام کے قائمقام ہیں نظام کو بیدار کرتے رہیں۔ تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ کہ کسی وقت جماعت کلّی طور پر گر جائے۔ اور اس کا قدم ترقی کی طرف اٹھنے سے رک جائے۔ جب بھی ایک غافل ہوگا دوسرا اسے جگانے کے لئے تیار ہوگا۔ جب بھی ایک سست ہوگا۔ دوسرا اسے ہوشیار کرنے کے لئے آگے نکل آئے گا۔ کیونکہ وہ دونوں ایک ایک حصہ کے نمائندہ ہیں ایک نمائندہ ہیں نظام کے۔ اور دوسرے نمائندہ ہیں عوام کے۔ بعض دفعہ اگر نظام کے نمائندے اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں

غفلت اور کوتاہی

سے کام لیں گے۔ تو عوام کے نمائندے ان کو بیدار کر دیں گے۔ اور جب عوام کے نمائندے غافل ہوں گے۔ تو نظام کے نمائندے ان کی بیداری کا سامان پیدا کریں گے۔ مگر میں دیکھتا ہوں۔ کہ اس وقت تک پورے طور پر اس حقیقت کو سمجھا نہیں گیا۔ اور خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ میں وہ بیداری پیدا نہیں ہوئی جس بیداری کو پیدا کرنے کے لئے ان دونوں جماعتوں کو معرض وجود میں لایا گیا تھا۔ خدام الاحمدیہ میں کسی قدر زیادہ بیداری ہے۔ مگر

انصار اللہ میں بیداری

کے آثار بہت ہی کم دکھائی دیتے ہیں۔ گزشتہ ایام میں مجھے ان کی بعض رپورٹوں سے یہ محسوس ہوا تھا۔ کہ ان میں بیداری پیدا ہو رہی ہے۔ مگر یہ کہ انہوں نے واقعہ میں کوئی ایسا کام بھی کیا ہے یا نہیں؟ جس کی بناء پر انہیں بیدار سمجھا جا سکے۔ اس کا ابھی تک مجھے کوئی ثبوت نہیں ملا۔ حالانکہ کام کرنے والی جماعت تو جس جگہ موجود ہو۔ وہاں اس کا وجود خود بخود نمایاں ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اور وہ کسی کو بتائے یا نہ بتائے۔ ہر شخص کو محسوس ہونے لگ جاتا ہے۔ کہ یہاں کوئی

زندہ اور کام کرنیوالی جماعت

موجود ہے۔ اور درحقیقت کام کرنے والی جماعت کی علامت بھی یہی ہے۔ کہ بغیر لوگوں کو بتانے اور ان کا علم دینے کے وہ خود بخود معلوم کر لیں۔ کہ یہاں کوئی کام کرنے والی جماعت موجود ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے۔ کہ ایک بھِڑ گھر میں آجائے۔ تو کس طرح گھر کے ہر فرد کو معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

گھر کے اندر کوئی بھڑ آ گئی ہے۔ وہ کبھی ایک کی طرف ڈسنے کے لئے جاتی ہے۔ اور کبھی دوسرے کی طرف ڈسنے کے لئے بڑھتی ہے۔ اور گھر بھر میں شور مچ جاتا ہے۔ کہ اس بھڑ کو مارو۔ یہ کسی کو کاٹ نہ لے۔ ایک شہد کی مکھی گھر میں آ جائے۔ تو چاروں طرف اس سے بچنے کے لئے پگڑیاں اور ہاتھ اور پنکھے اور رومال وغیرہ ہلنے لگ جاتے ہیں۔ ایک پھول کسی گھر میں لگا ہوا ہو۔ تو تمام گھر کے افراد کو اس کے وجود کا احساس ہو جاتا ہے۔ اور ہر شخص کے ناک میں جب ہوا داخل ہوتی ہے۔ وہ فوراً سمجھ جاتا ہے۔ کہ اس گھر میں گلاب لگا ہوا ہے۔ یا موتیا لگا ہوا ہے۔ یا چنبیلی کا پودہ لگا ہوا ہے۔ تو

زندگی کے آثار

ہونے ضروری ہیں۔ ان آثار کے بغیر کوئی شخص زندہ نہیں کہلا سکتا۔ چاہے بظاہر وہ زندہ ہی دکھائی دے۔ جب کوئی شخص اس دنیا میں آتا ہے۔ تو اُسے دنیا میں اپنی زندگی کا کوئی ثبوت دینا چاہیئے۔ اور ایسے نقوش چھوڑنے چاہئیں۔ جن سے دنیا اس کی زندگی کا احساس کر سکے۔ اور اُسے معلوم ہو۔ کہ اس دنیا میں فلاں شخص آیا تھا۔ اور اُس نے فلاں فلاں کام کیا۔ پس

کام کرنے والی جماعت

وہ نہیں ہو سکتی۔ جو چند رپورٹیں شائع کر دے۔ بلکہ کام کرنے والی جماعت وہ کہلا سکتی ہے کہ جب کوئی غیر شخص قادیان میں آئے۔ تو بغیر اس کے کہ اُسے کوئی بتائے۔ کہ یہاں خدام الاحمدیہ یا انصار اللہ کی جماعتیں ہیں۔ اُسے خود بخود محسوس ہونے لگے۔ کہ یہاں کوئی کام کرنے والی جماعت موجود ہے جب کوئی لاہور میں جائے یا امرتسر میں جائے یا اور کسی شہر میں جائے۔ تو اس شہر میں داخل ہوتے ہی اُسے یہ محسوس ہونے لگ جائے کہ وہ کسی ایسے شہر میں آیا ہے۔ جہاں کوئی نمایاں کام کرنے والی

زندہ جماعت

موجود ہے۔ مگر جہاں جا کر یہ پتہ نہ لگے۔ اور دوسروں کو خود اس بات کی ضرورت محسوس ہو۔ کہ وہ اُسے بتائیں۔ کہ یہاں انصار اللہ یا خدام الاحمدیہ کی جماعت ہے۔ تو اس کے معنے یہ ہونگے۔ کہ وہ لوگ مُردہ ہیں۔ اور اپنے اندر زندگی کے کوئی آثار نہیں رکھتے۔ یہ چیز ہے۔ جو میں انصار اللہ میں پیدا کرنا چاہتا ہوں۔ مگر میں نہیں دیکھتا کہ یہ چیز ان میں پیدا ہو گئی ہے۔ سوائے اس کے کہ کبھی کبھی میرے پاس انکی طرف سے رپورٹ آ جاتی ہے۔ حالانکہ رپورٹوں کی مثال تو ایسی ہی ہوتی ہے۔ جیسے ہماری پنجابی زبان میں کہتے ہیں۔ "آپے میں رجّی پُچّی آپے میرے بچّے جیون"۔ بھلا رپورٹوں میں یہ لکھ لینا کیا مشکل ہے۔ کہ فلاں صاحب نے یہ کام کیا۔ اور فلاں صاحب نے وہ کام کیا۔ اگر اس طرح کی خدمات ہم گننے لگ جائیں۔ تو ہر شخص اپنی خدمات کی تعداد جتنی چاہے بڑھائے گا۔ اور یہ سمجھے گا۔ کہ اُس نے بہت بڑا کام کیا۔ حالانکہ اگر غور سے دیکھا جائے۔ تو وہ کام ایسا ہوگا۔ جسے کسی صورت میں بھی خدمت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مثلاً

ہر قدم جو تم اٹھاتے ہو

اس کے اُٹھاتے وقت تمہارے پیروں کے نیچے ضرور چیونٹیاں آ جاتی ہیں۔ آج کل کے موسم میں تو خصوصیت سے چیونٹیاں زیادہ پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس لئے آج کل تو بالعموم ہر شخص کے پاؤں کے نیچے کچھ نہ کچھ چیونٹیاں ضرور آ جاتی ہیں۔ پھر یہ بھی ایک ثابت شدہ بات ہے۔ کہ تم قدم پاس پاس نہیں رکھ سکتے۔ ہر دو قدم کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے۔ اور اس فاصلہ کے اندر آنیوالی چیونٹیاں نہیں مرتیں۔ پس جب تم چلتے ہو تو کچھ چیونٹیاں مر جاتی ہیں۔ اور کچھ بچ رہتی ہیں۔ اب اگر اسی قسم کی خدمات کا رپورٹوں میں ذکر ہونے لگے۔ تو ایک شخص کہہ سکتا ہے۔ میں نے مخلوق خدا کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔ آج میں نے اتنے ہزار یا اتنے لاکھ چیونٹیوں کی جانیں بچائیں۔ حالانکہ یہ صاف بات ہے۔ کہ جس قدر چیونٹیاں چلتے ہوئے ملیں گی۔ اُن میں سے ساری تو مریں گی نہیں۔ کچھ مریں گی اور زیادہ تر بچ جائیں گی۔ چاہے کسی کا چیونٹیوں سے سارا گھر بھرا ہوا ہو۔ پھر بھی یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ کہ اُس کے پاؤں کے نیچے

سب کی سب چیونٹیاں

آ جائیں اور مر جائیں۔ لازماً کئی ہزار بلکہ کئی لاکھ چیونٹیاں بچ جائیں گی۔ اب اگر اسی قسم کے کاموں کو خدمت خلق قرار دیدیا جائے۔ تو کہنے والا کہہ سکتا ہے۔ کہ مجھ سے بڑھ کر اور کس نے خدمتِ خلق کی ہے۔ میں نے آج اتنے لاکھ چیونٹیوں کی جان بچائی ہے۔ اگر اس رنگ کی خدمات شمار میں آنے لگ جائیں۔ تو ہر شخص کی خدمات کی ایک بڑی بھاری فہرست روزانہ تیار ہو سکتی ہے۔ اور وہ رپورٹ میں اپنا کام ظاہر کرنے کے لئے کافی سمجھی جا سکتی ہے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں اگر ہم گناہ گننے لگ جائیں۔ تو ان گناہوں کی بھی ایک لمبی فہرست روزانہ تیار ہو سکتی ہے۔ پس یہ رپورٹیں کچھ چیز نہیں اصل چیز وہ بیداری ہے۔ جو ہر شخص کو نظر آ جائے۔ کسی شخص نے یہ

کیا ہی لطیف مثل

بنا دی ہے۔ جو آج ساری دنیا میں نقل کی جاتی ہے کہ ؎

مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

مشک پہچاننے کے لئے اگر عطار کی تعریف کی ضرورت ہو۔ اور وہ کہے کہ یہ مشک فلاں جگہ سے آیا ہے۔ اس کا نافہ ایسا عمدہ ہے لیکن ناک میں خوشبو نہ آئے۔ تو ایسے مشک کا کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ مشک تو وہی ہے۔ کہ عطار چپ کر کے بیٹھ جائے اور خریدار مشک کی خوشبو سونگھ کر ہی بیتاب ہو جائے اور کہے۔ کہ یہ مشک نکالو۔ میں اسے خریدنا چاہتا ہوں۔ یہ بڑا اعلیٰ مشک ہے۔ تو اصل خوبی کام کی یہی ہوتی ہے۔ اگر ایک غیر اور اجنبی شخص بھی آ جائے تو اُسے پتہ لگ جائے۔ کہ یہاں کوئی فعال اور کام کرنے والی جماعت موجود ہے۔ باقی کسی کا اپنی ہفتہ وار یا ماہوار یا سالانہ رپورٹ شائع کر دینا کوئی بڑی بات نہیں۔ اور نہ اس سے کام کے متعلق کوئی صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اگر ہم دنیا میں یہ اعلان کرنا شروع کر دیں۔ کہ ابھی دنیا کے پردہ پر ایک احمدیہ جماعت بھی موجود ہے۔ تو یہ اعلان بالکل مضحکہ خیز ہوگا۔ لیکن اگر جہاں جہاں بھی ہماری جماعتیں موجود ہیں وہ

اپنے وجود کو نمایاں کرنا

شروع کر دیں۔ یہاں تک ہر شخص کہے۔ کہ ہمارے شہر میں ایک عجیب جماعت پیدا ہو گئی ہے۔ اُس کے افراد لوگوں کو تبلیغیں کرتے ہیں۔ تعلیمیں دیتے ہیں۔ بڑی بڑی نیک اور اچھی باتیں بتاتے ہیں۔ لوگوں سے کہتے رہتے ہیں۔ کہ دیکھو تم نمازیں پڑھو۔ روزے رکھو۔ زکوٰۃ دو۔ حج کرو۔ سچ بولو۔ امن سے رہو۔ تو بے شک یہ تعریف

صحیح تعریف

ہوگی۔ اور بے شک اس اشتہار سے بڑھ کر جماعت کی نیک نامی کا اور کوئی اشتہار نہیں ہوگا۔ لیکن اگر ہم ایسا تو نہ کریں۔ اور صرف ہفتہ وار۔ ماہوار یا سالانہ یہ اعلان کر دیں۔ کہ احمدیہ جماعت بھی دنیا پر موجود ہے۔ تو اس کا کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ پس میرا مقصد ان جماعتوں کے قیام سے ہر فرد کے اندر ایک بیداری پیدا کرنا تھا۔ مگر یہ بیداری ابھی تک پیدا نہیں ہوئی۔

خدام میں ایک حد تک بیداری

کا رنگ پایا جاتا ہے۔ مگر وہ رنگ بھی تھوڑا بلکہ بہت ہی تھوڑا ہے۔ شاید دس فی صدی بیداری ہے۔ جو ابھی تک خدام میں پیدا ہوئی ہے۔ لیکن انصار میں ابھی تک صرف ایک فیصدی بیداری پیدا ہوئی ہے۔ پس جتنی بیداری خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ کے ذریعہ جماعت میں پیدا ہوتی ہے۔ وہ ہرگز کافی نہیں۔ بلکہ کافی کا ہزارواں حصہ بھی نہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے۔ کہ

انصار اللہ خصوصیت کے ساتھ

اپنے کام کی عمدگی سے نگرانی کریں۔ تاکہ ہر جگہ اور ہر مقام پر اُن کا کام نمایاں ہو کر لوگوں کے سامنے آ جائے۔ اور وہ محسوس کرنے لگ جائیں۔ کہ یہ ایک زندہ اور کام کرنے والی جماعت ہے۔ مگر میں سمجھتا ہوں۔ جب تک انصار اللہ اپنی ترقی کے لئے

صحیح طریق

اختیار نہیں کریں گے۔ اس وقت تک انہیں اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہیں ہوگی۔ مثلاً میں نے انہیں توجہ دلائی تھی۔ کہ وہ اپنے کام کی توسیع کے لئے روپیہ جمع کریں۔ اور اُسے مناسب اور ضروری کاموں پر خرچ کریں۔ مگر

Digitized by Khilafat Library Rabwah

میری اس ہدایت کی طرف انہوں نے کوئی توجہ نہیں کی۔ اب میں دُوسری بات انہیں یہ کہنا چاہتا ہوں۔ گو غالباً میں ایک دفعہ پہلے بھی کہہ چکا ہوں۔ کہ اگر انہیں مالی مشکلات ہوں۔ تو سلسلہ کی طرف سے کسی حد تک انہیں مالی مدد بھی دی جا سکتی ہے۔ مگر بہرحال پہلے انہیں خود عملی قدم اُٹھانا چاہیئے۔ اور روپیہ خرچ کر کے اپنے کام کی توسیع کرنی چاہیئے۔ مَیں سمجھتا ہوں۔ بڑی عمر کے لوگوں کو ضرور یہ احساس اپنے اندر پیدا کرنا چاہیئے۔ کہ وہ شباب کی عمر میں سے گزر کر اب ایک ایسے حصہ عمر میں سے گذر رہے ہیں۔ جس میں دماغ تو سوچنے کے لئے موجود ہوتا ہے مگر زیادہ عمر گذرنے کے بعد ہاتھ پاؤں محنت و مشقت کے کام کرنے کے قابل نہیں رہتے اس وجہ سے ان کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ اپنے کاموں کے سر انجام کے لئے کچھ نوجوان سکرٹری (چالیس سال کے اوپر کے مگر زیادہ عمر کے نہ ہوں) مقرر کریں۔ جن کے ہاتھ پاؤں میں طاقت ہو۔ اور وہ دوڑنے بھاگنے کا کام آسانی سے کر سکیں۔ تاکہ انکے کاموں میں سستی اور غفلت کے آثار پیدا نہ ہوں۔ میں سمجھتا ہوں۔ اگر وہ

چالیس ۴۰ سال سے پچپن ۵۵ سال کی عمر تک

کے لوگوں پر نظر دوڑاتے۔ تو انہیں ضرور اس عمر کے لوگوں میں سے ایسے لوگ مل جاتے جن کے ہاتھ پاؤں بھی ویسے ہی چلتے جیسے اُن کے دماغ چلتے ہیں۔ مگر انہوں نے اس طرف توجہ نہ کی۔ اور صرف انہی کو سکرٹری مقرر کر دیا۔ جن کا نام میں نے ایک دفعہ لیا تھا۔ حالانکہ ہر سکرٹری کے ساتھ انہیں ایسے آدمی لگانے چاہیئے تھے جو اپنی عمر کے لحاظ سے گو خدام الاحمدیہ میں شامل نہ ہو سکتے تھے۔ مگر اپنے اندر نوجوانوں کی سی ہمت اور طاقت رکھتے۔ دوڑنے بھاگنے کی قوت ان میں موجود ہوتی۔ محنت و مشقت کے کام وہ بآسانی کر سکتے۔ لوگوں کو بار بار جگاتے اور بار بار انہیں بیدار کرنے کی کوشش کرتے۔ اگر اب بھی وہ ایسا کریں۔ اور جوان ہمت انصار اللہ کو سکرٹریوں کے نائب مقرر کر دیں۔ تو میں اُمید کرتا ہوں کہ اُن کے اندر وہ بیداری پیدا ہو سکتی ہے۔ جس بیداری کو پیدا کرنے کے بغیر

محض نام کا انصار اللہ ہونا کوئی معنے نہیں رکھتا یہ ایک

الٰہی قدرت کا کرشمہ

ہے۔ کہ ایک زمانہ انسان پر ایسا آتا ہے۔ جب اس کے جسمانی قویٰ تو نشو و نما پاتے ہیں مگر اس کے دماغی قویٰ ابھی پردہ میں ہوتے ہیں۔ یہ نہیں کہتا کہ ان میں انحطاط واقعہ ہو جاتا ہے۔ انحطاط نہیں بلکہ قوائے دماغیہ ایک پردہ کے اندر رہتے ہیں۔ یہ زمانہ وہ ہوتا ہے۔ جو پچیس ۲۵ سال سے چالیس ۴۰ سال تک کی عمر کا ہے۔ لیکن پھر اس کے بعد ایک زمانہ ایسا آتا ہے۔ جب جسم میں نشو و ارتقاء کی طاقت تو نہیں رہتی۔ مگر اسے جو کمال حاصل ہو چکا ہوتا ہے۔ وہ قائم رہتا ہے۔ جیسے کسی چیز میں جب ابال شروع ہو۔ تو جب اس کا اُبلنا بند ہو جائے۔ مگر ابھی وہ اُبال بیٹھے نہیں۔ جو کیفیت اُس وقت ہوتی ہے وہی کیفیت

چالیس سال سے اُوپر عمر

والوں کی ہوتی ہے۔ کہ انکا اُبال تو بند ہو جاتا ہے۔ مگر ان کی بلندی میں کمی نہیں آتی۔ یہی وہ زمانہ ہے۔ جس میں خدا تعالیٰ عام طور پر نبیوں کو اصلاح خلق کے لئے کھڑا کیا کرتا ہے گویا یہ زمانہ بلغ اشدّہٗ کا زمانہ ہوتا ہے۔ طاقتیں اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہیں۔ مگر جو اُبال کی صورت ہوتی ہے۔ وہ مٹا دی جاتی ہے۔ پس جب مَیں نے انصار اللہ میں شمولیت کے لئے چالیس سال سے اوپر کی شرط رکھی تو اس کے معنے یہ تھے۔ کہ

کام کرنے کا بہترین زمانہ

انہیں حاصل تھا۔ بشرطیکہ اس عمر والوں سے فائدہ اُٹھایا جاتا۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ انہوں نے اس حکمت کو نہ سمجھا۔ اور کام اُنہی لوگوں کے سپرد رکھا۔ جو زیادہ عمر کے ہیں۔ حالانکہ اگر سارے کے سارے کام اُنہی لوگوں کے سپرد کر دئے جائیں۔ جو ساٹھ سال سے اوپر اور ستر سال کے قریب ہوں تو نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ اُن لوگوں کے پاس دماغ تو ہوگا۔ مگر چونکہ کام کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں نہیں ہوں گے۔ اس لئے وہ کام خراب ہو جائیگا مفید نتائج کا حامل نہیں ہوگا۔ پس انہیں چاہیئے تھا۔ کہ وہ ہر محکمہ کے ہر سکرٹری کے ساتھ

نائب سیکرٹری

اُن لوگوں کو مقرر کرتے۔ جو تیزی کے ساتھ کام کرنے کی ہمت رکھتے۔ اور ان کے پاس صرف دماغ ہی نہ ہوتے۔ بلکہ کام کرنیوالے ہاتھ اور پاؤں بھی ان کے پاس ہوتے۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ جب تک اِنسان کے اندر دماغی انحطاط پیدا نہیں ہو جاتا۔ اس کا دماغ ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ خواہ اس کی عمر کس قدر زیادہ ہو۔ اسلئے زیادہ عمر کے لوگ

تجربہ کار۔ صائب رائے

رکھنے والے اور نفع و نقصان کو عمدگی کیساتھ سمجھنے والے ہوتے ہیں۔ اور ضروری ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کے تجربہ۔ اصابت رائے اور خوبیٔ دماغ سے فائدہ اُٹھایا جائے۔ مگر بہرحال وہ نگران یا سکرٹری ہی مقرر ہو سکتے ہیں۔ سوائے ایسی عمر کے جسے رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارذل العمر قرار دیا ہے۔ اور جس میں جسمانی قویٰ کے انحطاط کے ساتھ دماغی انحطاط بھی شروع ہو جاتا ہے۔ ایسی عمر میں انسان کسی کام کا بھی نہیں رہتا۔ مگر جب تک کسی کا

دماغی انحطاط

شروع نہ ہو جائے۔ اس وقت تک ایسے آدمی کی رائے صائب ہوتی ہے۔ اُس کے تجربہ سے دُوسرے لوگ بہت کچھ فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ اور اس کی راہنمائی لوگوں کے لئے مفید ہو سکتی ہے۔ لیکن بہر صورت ایسے لوگ نگران ہی مقرر ہو سکتے ہیں۔ نائب سکرٹری وہی لوگ مقرر ہونے چاہئیں جو دوڑ سکتے ہوں۔ بھاگ سکتے ہوں۔ جلدی جلدی کام کر سکتے ہوں۔ لوگوں کو یاددہانیاں کرا سکتے ہوں۔ ان کی نگرانی کا کام کر سکتے ہوں۔ اگر انصار اللہ اس طرح کام کرتے۔ تو اُن کا کام یقیناً اب تک نمایاں ہو چکا ہوتا۔ مگر انہوں نے بجائے یہ طریق اختیار کرنے کے جن لوگوں کا نام مَیں نے اپنے ایک پہلے خطبہ (۲۶ جولائی ۱۹۴۰ء) میں لیا تھا انہی کے سپرد تمام کام کر دیا۔ حالانکہ میں نے وہ نام اس لئے لئے تھے کہ میرے نزدیک وہ اچھا دماغ رکھنے والے تھے۔ ان کی رائے صائب اور سلجھی ہوئی تھی۔ اور وہ مفید مشورہ دینے کی اہلیت رکھتے تھے۔ اسلئے نام نہیں لئے تھے

کہ اُن میں کام کرنے کی ہمت اور قوت بھی نوجوانوں والی موجود ہے۔ اور وہ دوڑ بھاگ بھی سکتے ہیں ان کا کام صرف نگرانی کرنا تھا۔ اور ضروری تھا کہ اُن کے ماتحت ایسے نوجوان لگائے جاتے جو دوڑنے بھاگنے کا کام کر سکتے۔ اب بھی اگر وہ اچھا کام کرنا چاہتے ہیں تو انہیں سابق سکرٹریوں کے ساتھ بعض نوجوان مقرر کر دینے چاہئیں۔ چاہے نائب سکرٹری بنا کر یا جائنٹ سکرٹری بنا کر تاکہ انصار اللہ میں بیداری پیدا ہو اور ان پر غفلت اور جمود کی جو حالت طاری ہو چکی ہے وہ دُور ہو جائے ورنہ یاد رکھیں عمر کا تقاضا ایک قدرتی چیز ہے بیشک بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو ہر عمر میں

خدا تعالےٰ کی حفاظت کے نیچے

ہوتے ہیں مگر عام طور پر دُنیا میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ جوں جوں عمر بڑھتی جاتی ہے۔ ہاتھ پاؤں رہ جاتے ہیں۔ البتہ دماغ موجود ہوتا ہے۔ جو ہر وقت سوچنے کا کام کرتا رہتا ہے۔ گویا اُس عمر والوں کی ایسی ہی حالت ہوتی ہے جیسے بھاگنے والے کی حالت ہوتی ہے۔ جب کوئی شخص مکان میں سے نکل کر بھاگنا چاہے تو پہلے وہ ایک پیر نکالتا ہے، پھر دُوسرا پیر نکالتا ہے۔ پھر دھڑ نکالتا ہے اور پھر بھاگنا شروع کر دیتا ہے۔ اسی طرح روح جب طبعی موت کے ذریعہ انسانی جسم میں سے بھاگتی ہے تو یہی طریق اختیار کرتی ہے۔ پہلے وہ انسان کے ہاتھوں اور پاؤں سے نکلتی ہے۔ انسان زندہ ہوتا ہے۔ مگر اچھی طرح نہ ہاتھ ہلا سکتا ہے نہ پاؤں ہلا سکتا ہے اور اسکی آخری حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ دل اور دماغ میں سے بھی نکل جاتی ہے اور انسان اگلے جہان میں چلا جاتا ہے۔ پس یہ بھاگنے کا سا وقت ہوتا ہے اور انسان دنیا کو چھوڑ رہا ہوتا ہے اور جو شخص دنیا کو چھوڑ رہا ہو۔ اُسے دوسروں کی اصلاح کا اتنا فکر نہیں ہوتا۔ جتنا اُسے اپنے نفس کا فکر ہوتا ہے۔ وہ سوچتا بیشک ہے کیونکہ اُس نے اپنا ماضی بھی دیکھا ہوا ہوتا ہے۔ اُس نے دُوسروں کا ماضی بھی دیکھا ہوا ہوتا ہے۔ لوگوں کی خوبیاں اور برائیاں اور ان خوبیوں اور برائیوں کے نتائج سب اس کی آنکھوں کے سامنے ہوتے ہیں۔ اُس کے اپنے حالاتِ زندگی بھی ایک ایک کر کے اُس کے سامنے آتے ہیں۔ اور دوسروں سے گذرے ہوئے واقعات بھی اُس کی آنکھوں کے سامنے چکر لگاتے ہیں۔ اور وہ ان سب حالات کو دیکھ کر سوچتا۔ غور کرتا

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ان سے نتائج اخذ کرتا ہے۔ کیونکہ وہ سمجھتا ہے۔ اب میں

جانے کے لئے تیار

ہوں۔ اب میرا کام یہی ہے۔ کہ میں نے جو کچھ کیا ہے۔ اس کا حساب کرلوں۔ پس اس وقت وہ حساب کر رہا ہوتا ہے۔ اور جو شخص حساب کر رہا ہو۔ اس کی توجہ کسی اور طرف نہیں ہوتی۔ رات کو سوتے وقت جب بنیا اپنے تمام دن کی آمد کا حساب کر رہا ہو۔ اس وقت اگر تم بنیئے سے سودا مانگو۔ تو تم دیکھو گے کہ وہ اس وقت سخت چڑ چڑا ہوتا ہے کیونکہ وہ اس وقت حساب کر رہا ہوتا ہے۔ سودا دینے کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ کہ اس وقت اس کی جگہ کوئی اور آدمی دوکان پر ہو۔ پس ایسے آدمی جہاں تک حساب کا تعلق ہے۔ بے شک مفید ہوتے ہیں۔ مگر ایسی عمر والوں سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی۔ کہ وہ کبھی لاہور جائیں۔ کبھی پشاور جائیں۔ کبھی انبالے جائیں۔ کبھی گوجرانوالہ جائیں۔ اور سب لوگوں سے کہتے پھریں۔ کہ اٹھو اور بیدار ہوجاؤ

اسلام پر بڑا نازک وقت

آیا ہوا ہے۔ جماعت پر بڑی بھاری ذمہ واری ہے۔ اگر تم اس ذمہ داری کو ادا نہ کرو گے تو خدا تعالےٰ کے حضور کیا جواب دو گے۔ یہ کام وہ نہیں کرسکتے۔ کیونکہ ان کا یہ زمانہ گزر چکا ہوتا ہے۔

پس میں نے انصار اللہ کے لئے جو چالیس سال سے اوپر عمر کی شرط لگائی تھی۔ اس کی وجہ یہی تھی۔ کہ میں چاہتا تھا۔ ان کو کام کرنے کے لئے وہ جوان بہت لوگ بھی مل جائیں۔ جن پر ابھی

جوانی جیسا ہی زمانہ

ہوتا ہے۔ اور جو اپنے اندر کام کرنے کی کافی طاقت رکھتے ہیں۔ اور ایسے آدمی بھی میسر آجائیں۔ جن کے دماغ اعلےٰ درجہ کے ہوں اور جو لوگوں کی نگرانی کا کام پوری احتیاط کے ساتھ کرسکیں۔ مگر اس سے فائدہ نہیں اٹھایا گیا۔ اور صرف ایسے ہی لوگوں کو لے لیا گیا۔ جن کا نام میں نے لیا تھا۔ حالانکہ میں نے وہ نام اس لئے لئے تھے۔ کہ میرے نزدیک وہ نگران اور محافظ بن سکتے تھے۔ نہ اس لئے کہ وہ دوڑنے بھاگنے کا کام بھی کرسکتے تھے اس قسم کے کام کرنے کے لئے انہیں چاہیے

تھا۔ کہ وہ ایسے لوگ سیکرٹریوں کے ساتھ مقرر کر دیتے۔ جن کے قوٰی میں طاقت ہوتی جن کے ہاتھوں اور پاؤں میں چلنے پھرنے اور دوڑنے بھاگنے کی ہمت ہوتی۔ تاکہ وہ اپنے مفوضہ فرائض کو عمدگی سے سرانجام دے سکتے میں سمجھتا ہوں

انصار اللہ پر بہت بڑی ذمہ واری

ہے۔ وہ اپنی عمر کے آخری حصہ میں سے گزر رہے ہیں۔ اور یہ آخری حصہ وہ ہوتا ہے۔ جب انسان دُنیا کو چھوڑ کر اگلے جہان جانے کی فکر میں ہوتا ہے۔ اور جب کوئی انسان اگلے جہان جا رہا ہو۔ تو اس وقت اسے اپنے حساب کی صفائی کا بہت زیادہ خیال ہوتا ہے۔ اور وہ ڈرتا ہے۔ کہ کہیں وہ ایسی حالت میں اس دنیا سے کوچ نہ کر جائے۔ کہ اس کا حساب گندہ ہو اس کے اعمال خراب ہوں۔ اور اس کے پاس وہ زادِ راہ نہ ہو۔ جو اگلے جہان میں کام آنے والا ہے۔ جب

احمدیت کی غرض

یہی ہے۔ کہ بندے اور خدا کا تعلق درست ہوجائے تو ایسی عمر میں اور عمر کے ایسے حصہ میں اس کا جس قدر احساس ایک مومن کو ہونا چاہیے وہ کسی شخص سے مخفی نہیں ہوسکتا۔ نوجوان تو خیال بھی کرسکتے ہیں۔ کہ اگر ہم سے خدمتِ خلق میں کوتاہی ہوئی۔ تو انصار اللہ اس کام کو ٹھیک کرلیں گے۔ مگر انصار اللہ کس پر انحصار کرسکتے ہیں۔ وہ اگر اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی سے کام لیں گے۔ وہ اگر دین کی محبت اپنے نفوس میں اور پھر تمام دُنیا کے قلوب میں پیدا کرنے میں کامیاب نہ ہونگے۔ وہ اگر احمدیت کی اشاعت کو اپنا اولین مقصد قرار نہ دیں گے اور وہ اگر اس حقیقت سے اغماض کرلیں گے۔ کہ انہوں نے اسلام کو دنیا میں پھر زندہ کرنا ہے۔ تو انصار اللہ کی عمر کے بعد اور کونسی عمر ہے۔ جس میں وہ یہ کام کریں گے۔ انصار اللہ کی عمر کے بعد تو پھر

ملک الموت کا زمانہ

ہے۔ اور ملک الموت اصلاح کے لئے نہیں آتا۔ بلکہ وہ اس مقام پر کھڑا کرنے کے لئے آتا ہے جب کوئی انسان سزا یا انعام کا مستحق ہوجاتا ہے۔ پس میں ایک دفعہ پھر انصار اللہ کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنے فرائض کو سمجھیں۔ ایک دفعہ پہلے بھی میں نے انہیں کہا۔ کہ وہ بھی خدام الاحمدیہ کی طرح

سال میں ایک دفعہ

خاص طور پر باہر سے لوگوں کو بلوایا کریں۔ تاکہ ان کے ساتھ مل کر اور گفتگو اور بحث و تمحیص کرکے انہیں دوسروں کی مشکلات کا احساس ہو۔ اور وہ پہلے سے زیادہ ترقی کی طرف قدم اٹھا سکیں۔ پھر بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ دوسروں کے مشورہ سے انسان بہت کچھ فائدہ اٹھا لیتا ہے۔ غالباً ایک سال ہوا۔ جب میں نے اس امر کی طرف انہیں توجہ دلائی تھی۔ مگر اب تک انصار اللہ کا کوئی جلسہ نہیں ہوا۔ یہ بات بھی ان کی مُردنی پر دلالت کرتی ہے۔

پچھلی دفعہ جب خدام الاحمدیہ کا جلسہ ہوا۔ تو میں نے بعض انصار اللہ کی آوازیں سنیں۔ کہ ہم کو بھی آئندہ ایسا جلسہ کرنا چاہیئے۔ مگر عمر کا تقاضا تھا۔ کہ انہوں نے کہنے کو تو یہ بات کہہ دی۔ لیکن چونکہ اُن کے ہاتھ پاؤں چلتے نہیں تھے۔ اس لئے وہ کوئی عملی قدم نہ اُٹھا سکے۔

حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ سنایا کرتے تھے۔ کہ کوئی بوڑھا شخص کسی طبیب کے پاس آیا۔ اور کہنے لگا۔ مجھے یہ تکلیف ہے۔ وہ تکلیف ہے۔ یہ عارضہ ہے وہ عارضہ ہے۔ طبیب نے دیکھا۔ کہ اس کی عمر بڑی ہوچکی ہے۔ اور یہ تکلیفیں اب مستقل شکل اختیار کرچکی ہیں۔ دواؤں سے جانے والی نہیں۔ اس لئے جب بھی وہ کوئی تکلیف بیان کرتا۔ طبیب کہہ دیتا۔ ہاں ٹھیک ہے۔

تقاضائے عمر

ہے۔ پانچ سات دفعہ اُس نے شکایتیں بیان کیں۔ اور پانچ سات دفعہ ہی طبیب یہی کہتا رہا۔ کہ آپ درست کہتے ہیں۔ مگر عمر کا تقاضا ہی ایسا ہے۔ جب بار بار طبیب نے ایسا کہا تو اُسے غصہ آگیا۔ کہ یہ عجیب طبیب ہے۔ اور اُسے گالیاں دینے لگ گیا۔ کہ تو بڑا خبیث اور بے ایمان ہے۔ تیرا کام نسخہ لکھ کر دینا ہے۔ یا ہر بات پر یہ کہہ دینا ہے کہ یہ تقاضائے عمر ہے۔ جب وہ اپنا جوش نکال چکا۔ تو طبیب کہنے لگا۔ یہ بھی تقاضائے عمر ہے۔ تو ان کے اندر جوش تو پیدا ہوا۔ مگر جلسہ نہ ہوا۔ یہ بھی تقاضائے عمر ہی تھا۔ مگر بہرحال میں نے جان بوجھ کر انصار اللہ میں ایک طبقہ ایسے لوگوں کا بھی رکھا تھا جن کا تقاضائے عمر کام کرنا ہو۔ تقاضائے عمر کام نہ کرنا نہ ہو۔ میں نے چالیس سال سے اوپر عمر والوں کو انصار اللہ میں شامل کیا ہے۔ جس کے معنے یہ ہیں۔ کہ ایک بڑا طبقہ ایسے لوگوں کا ان کے پاس موجود ہے۔ جو اپنے اندر

کام کرنے کی رُوح

رکھتا ہے۔ اور طاقت و قوت کے لحاظ سے بھی وہ نوجوانوں سے کم نہیں۔ ساٹھ سال سے اوپر جاکر انسان کے قوٰی میں انحطاط شروع ہوتا ہے۔ بلکہ رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دیکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ ترسیٹھ ۶۳ سال سے اوپر کی عمر والوں کے متعلق ابھی یہ خیال کیا جاسکتا ہے۔ کہ اب اس عمر والوں کا بیٹھنے کا زمانہ ہے۔ کام کرنے کا نہیں۔ اس سے نیچے نیچے ہر شخص سوائے کسی معذور یا بیمار کے اپنے اندر کام کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ پس جو عمر ان کے لئے رکھی گئی ہے۔ اس کے لحاظ سے ایک بہت بڑا حصہ جوان ہمت لوگوں کا اُن کے اندر پایا جاتا ہے۔ اور وہ اگر چاہیں۔ تو اچھی طرح کام کرسکتے ہیں۔ اگر ایسے لوگوں کو آگے آنے اور کام کرنے کا موقعہ دیا جاتا۔ اور زیادہ عمر کے لوگ صرف نگرانی اور محافظت کا کام کرتے۔ تو اس کا فائدہ یہ ہوتا۔ کہ ایک طرف تو نوجوان بڑوں کی نگرانی میں کام کرنے کا طریق سیکھ جاتے۔ اور دوسری طرف وہ جوش سے کام لے کر لوگوں کے اندر بیداری بھی پیدا کر دیتے۔ مگر چونکہ ایسے لوگوں کو آگے آنے کا موقعہ نہیں دیا گیا۔ اس لئے "تقاضائے عمر" سمجھ کر ہی بات ختم کر دی گئی۔ اور انصار اللہ میں بیداری پیدا نہ ہوئی۔ پس میں

ایک دفعہ پھر

جماعت کے مخلصین کو توجہ دلاتا ہوں۔ کہ ان پر بہت بڑی ذمہ واری عائد ہے۔ یاد رکھو! اگر اصلاح جماعت کا سارا دارومدار نظارتوں پر ہی رہا۔ تو جماعت احمدیہ کی زندگی کبھی لمبی نہیں ہوسکتی۔ یہ خدائی قانون ہے۔ جو کبھی بدل نہیں سکتا۔ کہ ایک حصہ سوئے گا۔ اور ایک حصہ جاگے گا۔ ایک حصہ غافل ہوگا۔ اور ایک حصہ ہوشیار ہوگا۔ خدا تعالےٰ نے دنیا کو گول بنا کر فیصلہ کر دیا ہے۔ کہ اُس کے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

قانون میں یہ بات داخل ہے کہ دنیا کا ایک حصہ سوئے اور ایک حصہ جاگے۔ کبھی دنیا کا ایک حصہ جاگتا ہے اور دوسرا سوتا ہے۔ کبھی دوسرا جاگتا ہے اور پہلا سوتا ہے۔ چاہے تم ساری دنیا کو فرشتوں سے بھی لاکر بھردو پھر بھی ایسا ہی ہوگا۔ کہ آدھی دنیا سوئے گی اور آدھی دنیا جاگیگی۔ ایسی صورت میں

کام کو زندہ اور جاری رکھنے کا بہترین طریق

یہ ہوا کرتا ہے کہ کام دونوں کے سپرد کردیا جائے۔ اس دنیا کے بھی سپرد کردیا جائے جو ایک طرف ہے۔ اور اس دنیا کے بھی سپرد کردیا جائے جو دوسری طرف ہے۔ اگر ایک طرف سوئے گی۔ تو دوسری طرف جاگے گی۔ اور اگر دوسری طرف سوئے گی۔ تو پہلی طرف اس کام کو زندہ رکھے گی۔ یہی

تقدیر اور تدبیر کا باریک نکتہ

ہے۔ خدا تعالےٰ سوتا نہیں۔ مگر خدا کبھی سونے والے کی طرح ہو جاتا ہے جیسے فرمایا افطر واصوم تاکہ دنیا کو بیداری کا موقع دے۔ اور جب دنیا تھک جاتی ہے۔ تو خدا اپنا کام شروع کردیتا ہے۔ یہی نظام اور عوام کا تسلسل دنیا میں دکھائی دیتا ہے۔ جو درحقیقت پرتو ہیں تقدیر اور تدبیر کے۔ کبھی عوام سوتے ہیں اور نظام جاگتا ہے اور کبھی نظام سوتا ہے اور عوام جاگتے ہیں۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ نظام بھی جاگتا ہے اور عوام بھی جاگتے ہیں۔ اور وہ وقت بڑی بھاری کامیابی اور فتوحات کا ہوتا ہے۔ وہ گھڑیاں جب کسی قوم پر آتی ہیں۔ جب نظام بھی بیدار ہوتا ہے۔ اور عوام بھی بیدار ہوتے ہیں۔ تو وہ اس قوم کیلئے

فتح کا زمانہ

ہوتا ہے۔ وہ اس قوم کے لئے کامیابی کا زمانہ ہوتا ہے۔ وہ اس قوم کے لئے ترقی کا زمانہ ہوتا ہے۔ وہ شیر کی طرح گرجتی اور سیلاب کی طرح بڑھتی چلی جاتی ہے۔ ہر روک جو اس کے راستہ میں حائل ہوتی ہے اسے مٹا ڈالتی ہے۔ ہر عمارت جو اسکے سامنے آتی ہے۔ اُسے گرادیتی ہے۔ ہر چیز جو اسکے سامنے آتی ہے اُسے بکھیر دیتی ہے۔ اور اس طرح وہ دیکھتے ہی دیکھتے چاروں طرف۔ اِس طرف بھی اور اس طرف بھی بڑھتی چلی جاتی ہے اور دنیا پر اس طرح چھا جاتی ہے کہ کوئی قوم اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ مگر پھر ایک وقت ایسا آجاتا ہے۔ جب نظام سوجاتا ہے۔ اور عوام جاگتے ہیں۔ یا عوام سوجاتے ہیں۔ اور نظام جاگتا ہے۔ اور پھر آخر میں وہ وقت آتا ہے۔ جب نظام بھی سوجاتا ہے اور عوام بھی سوجاتے ہیں۔ تب آسمان سے

خدا تعالےٰ کا فرشتہ

اترتا ہے اور اس قوم کی رُوح کو قبض کرلیتا ہے۔ یہ قانون ہمارے لئے بھی جاری ہے جاری رہیگا اور کبھی بدل نہیں سکیگا۔ پس اس قانون کو دیکھتے ہوئے ہماری پہلی کوشش یہی ہونی چاہیئے۔ کہ ہمارا نظام بھی بیدار رہے اور ہمارے عوام بھی بیدار رہیں۔ اور درحقیقت یہ زمانہ اسی بات کا تقاضا کرتا ہے

خدا کا مسیحؑ

ہم میں ابھی قریب ترین زمانہ میں گذرا ہے۔ اسلئے اس زمانہ کے مناسب حال ہمارا نظام بھی بیدار ہونا چاہیئے۔ اور ہمارے عوام بھی بیدار ہونے چاہئیں۔ مگر چونکہ دنیا میں اضمحلال اور قوتوں کا انکسار انسان کیساتھ ساتھ لگا ہوا ہے۔ اسلئے عوام کی کوشش یہ ہونی چاہیئے۔ کہ وہ نظام کو جگاتے رہیں۔ اور نظام کی کوشش یہ ہونی چاہیئے۔ کہ وہ عوام کو جگاتا رہے تا خدانخواستہ اگر ان دونوں میں سے کوئی سوجائے۔ غافل ہوجائے اور اپنے فرائض کو بھول جائے۔ تو دوسرا اس کی جگہ لے لے۔ اور اس طرح ہم زیادہ سے زیادہ اس دن کو بعید کردیں۔ جب نظام اور عوام دونو سوجاتے ہیں۔ اور خدائی تقدیر

موت کا فیصلہ

صادر کردیتی ہے۔ پس دونوں کو اپنے اپنے فرض ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے تاکہ اگر دونوں نہ جاگیں تو کم از کم ایک تو جاگے۔ اور اس طرح وہ دن جو موت کا دن ہے۔ ہم سے زیادہ سے زیادہ دُور رہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ سب کام خدا کے اختیار میں ہے۔ اور انسان اگر کامیاب ہونا چاہے تو اس کا فرض ہے۔ کہ وہ عجز اور انکسار کے ساتھ

اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں

کرے۔ مگر دُعاؤں کے ساتھ انسان کا اپنا ارادہ اور اُس کی اُمنگ بھی شامل ہونی چاہیئے۔ تب دُعاؤں کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ جیسے مَیں نے ابھی بتایا ہے۔ کہ جب تقدیر اور تدبیر جمع ہوجاتی ہیں تو اس وقت برکات کا ظہور اپنے کمال کو پہنچ جاتا ہے یا جیسے میں نے بتایا ہے کہ عوام اور نظام دونوں بیدار ہوں تو وہ وقت قوم کی فتح کا اور وہ گھڑیاں اس کی کامرانی کی گھڑیاں ہوتی ہیں۔

محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا زمانہ

ایسا ہی تھا کہ تقدیر الٰہی آسمان سے جاری تھی اور زمین پر تدبیروں کا ڈھیر لگایا جارہا تھا ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ملاقات کرنے کے لئے ایک وفد آیا۔ وفد ابھی پیچھے ہی تھا کہ اُن میں سے ایک شخص آگے بڑھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ملنے کے لئے آگیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُس سے فرمایا۔ تم بہت جلدی آگئے۔ تمہاری قوم نہیں آئی۔ اسکی کیا وجہ ہے، وہ کہنے لگا۔ یا رسُول اللہ وہ اپنے اُونٹ باندھ رہے ہیں۔ مگر مَیں اپنے اُونٹ کو خدا کے سپرد کرکے آگیا۔ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ جاؤ اور اپنے اونٹ کی رسّی باندھو۔ اس کے بعد اپنے رب پر توکل کرو۔ تو وہ زمانہ ایسا تھا۔ جب تقدیر اور تدبیر دونوں اپنے انتہا کو پہنچی ہوئی تھیں چنانچہ اس کے نتیجہ میں اسلام کو وہ فتوحات اور کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ جنکی مثال نہ پہلے کسی زمانہ میں ملتی ہے اور نہ بعد میں کسی زمانہ میں نظر آتی ہے۔ اس وقت آسمان سے خدا تعالیٰ کے فرشتے ہی دشمنوں پر حملہ نہیں کررہے تھے۔ بلکہ زمین پر مسلمانوں کے ہاتھ سے بھی کفار مارے جارہے تھے۔ اور جب

دو طرف سے حملہ

ہو۔ تو تم جانتے ہو۔ کہ درمیان میں آنے والی کوئی چیز بچ نہیں سکتی۔ پس جب خدا کی تقدیر اور بندے کی تدبیر جمع ہوجاتی ہے تو اس وقت ہر چیز جو درمیان میں آتی ہے۔ مٹتی چلی جاتی ہے۔ اور ہر کامیابی اور ہر فتح حاصل ہوتی چلی جاتی ہے۔ پس

اصل کامیابی

تو اسی بات میں ہے۔ کہ ہم کوشش کریں کہ آسمان سے خدائی تقدیر بھی ہمارے حق میں جاری رہے۔ اور زمین پر ہماری تدبیریں بھی ہمیں کامیابی کے قریب ترکرتی رہیں۔ لیکن اگر یہ نہ ہو تو کم سے کم اتنا تو ہونا چاہیئے کہ اگر ہمارے نظام میں خرابی آجائے تو عوام بیدار ہوں جو اس خرابی کو دور کرسکیں اور اگر عوام میں کوئی خرابی واقع ہوجائے۔ تو نظام اس کی اصلاح کے لئے جاگ رہا ہو۔ یہ کم سے کم توقع ہے۔ جو ہم سے ہر شخص کو رکھنی چاہیئے۔ تاکہ

ہماری قومی اور جماعتی زندگی

موت کے دن سے زیادہ سے زیادہ دُور رہے۔ پس میں اس نصیحت کے ساتھ انصار اللہ کو بھی بیدار کرنا چاہتا ہوں۔ اور خدام الاحمدیہ کو بھی بیدار کرنا چاہتا ہوں۔ خدام الاحمدیہ بیشک نسبتاً زیادہ بیدار ہیں۔ مگر میں دیکھ رہا ہوں۔ کہ وہ بھی قشر کی طرف زیادہ متوجہ ہیں۔ انہیں یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ یہ کوئی خوبی نہیں۔ کہ کسی قوم کے تین یا چار۔ یا پانچ آدمی مل کر اچھا مارچ کرسکتے یا کوئی اور دنیوی کام کرسکتے ہیں۔ بلکہ خوبی یہ ہے۔ کہ جماعت میں ایسے تین یا چار یا پانچ آدمی پیدا کردے جائیں۔ جن کی روحیں اکٹھی ہوں۔ اور جو

رُوحانی میدان میں

ملکر قدم اُٹھا سکتے ہوں۔ مذہبی دُنیا میں

امرتسر میں عمدہ اور بہترین کتابوں کی دوکان سٹینڈرڈ ایجنسی تیلی گھرے تبدیل ہوکر ایجرٹن روڈ پر آگئی ہے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

خطبہ نمبر کے خریدار اصحاب سے گزارش ہے۔ کہ اپنا چندہ بروقت اور باقاعدہ ارسال فرمایا کریں۔ اور وی پی کی صورت میں اسے ضرور وصول فرمالیا کریں۔ مینیجر

کبھی قدموں کو ملا کر چلنے سے کامیابی نہیں ہوا کرتی۔ بلکہ مذہبی دنیا میں روحوں کے متحد ہونے سے کامیابی حاصل ہوا کرتی ہے۔ مگر اس میں ابھی

بہت بڑی کوتاہی

پائی جاتی ہے۔ ہر شخص دوسرے پر اعتراض کرتا اور اعتراض کرنے کو ہی اپنی خوبی اور کمال سمجھتا ہے۔ ایک افسر دوسرے افسر کی جگہ مقرر کیا جاتا ہے۔ تو ہمیشہ اس کا یہ طریق نظر آتا ہے۔ کہ وہ کہتا ہے۔ میں نے یہ کام کیا۔ مگر دوسرے کے کام میں یہ یہ نقص تھا۔ اسے کبھی یہ خیال ہی نہیں آتا۔ کہ میں اس قسم کے الفاظ کہہ کر اپنے نقص کا آپ اظہار کر رہا ہوں۔ بے شک

دوسرے افسر کے کام میں کوتاہی

ہوگی۔ مگر جب یہ اس کا نقص بیان کرتا۔ اور اپنی خوبیاں شمار کرتا ہے۔ تو یہ اس بات کا ثبوت بہم پہنچا رہا ہوتا ہے۔ کہ اگر پہلے افسر کا کوئی عمل ناقص تھا۔ تو اس کا ایمان ناقص ہے۔ پس مادی حالات کی درستی نہیں۔ بلکہ روحوں کی درستی سے مذہبی جماعتیں دنیا میں

کامیاب ہوا کرتی ہیں۔ مگر اس طرف خدام کی توجہ ابھی کم ہے۔ لیکن بہرحال انصار اللہ سے وہ کچھ زیادہ بیدار ہیں۔ اگر یہ دونوں یعنی خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ مل کر جماعت میں بیداری پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس بات کی امید کی جا سکتی ہے۔ کہ اگر خدانخواستہ کسی وقت ہمارا نظام سو جائے۔ تو یہ لوگ اس کی بیداری کا باعث بن جائیں گے۔ اور اگر یہ خود سو جائیں گے۔ تو نظام ان کو بیدار کرتا رہیگا۔

میں

اللہ تعالیٰ سے دعا

کرتا ہوں۔ کہ وہ ان ذمہ داریوں کی ادائیگی میں ہماری مدد فرمائے۔ اور ہمیں ایسی توفیق عطا فرمائے۔ کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے ذاتی فرائض کو ادا کرتے ہوئے اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی اٹھانے اور ان کو بیدار کرنے کا باعث ہو۔ تا کہ ہم خدا تعالیٰ کے سامنے بیدار اور ہوشیار سپاہیوں کی صورت میں پیش ہوں۔ مردار اور بے کار لوگوں کی صورت میں پیش نہ ہوں۔

لبنان کے اہم واقعات

لنڈن ۱۴ نومبر۔ ابھی تک لبنان کے شہروں اور قصبوں میں خون خرابہ ہو رہا ہے۔ فرانسیسی ڈیلی گیٹ جنرل نے عوام کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا۔ کہ فرنچ نیشنل بریشن کی طرف سے لبنانی عوام سے گفتگو شروع کی جا رہی ہے۔ تاکہ آزادی کے وعدے کو عملی صورت دی جا سکے۔ بیان کیا گیا ہے۔ کہ ممالک عربیہ پوری توجہ سے اس امر کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ کہ برطانیہ لبنان کے واقعات سے کس قدر متاثر ہوتا ہے۔ برطانیہ کے اقدام سے اندازہ ہو سکے گا۔ کہ برطانیہ دنیائے عرب کے بارے میں اپنی ذمہ داریوں اور وعدوں کو کس حد تک ایفا کرنے کے لئے تیار ہے۔

لبنان کی آزادی کی جد و جہد میں عورتیں بھی حصہ لے رہی ہیں۔ وہ سینیگالی اور فرانسیسی فوج کے مقابلہ میں مردوں کی طرح ڈٹی ہوتی ہیں۔ کہا جا رہا ہے۔ کہ فرانسیسی افسر دل سے چاہتے ہی نہیں۔ کہ عوام کو مطمئن کریں۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

نہایت باموقعہ اراضیات
قابل فروخت

۱۔ محلہ دارالانوار میں شہر سے بالکل قریب اڑھائی کنال کا ایک قطعہ دونوں طرف راستہ ہے قابل فروخت ہے
۲۔ محلہ دارالفتوح میں ایک کنال کے دو قطعات ریتی چھلہ کے بالکل قریب بیس فٹ کے راستہ پر قابل فروخت ہیں۔
۳۔ محلہ دارالبرکات شرقی میں چند باموقعہ قطعات بھی قابل فروخت ہیں۔
۴۔ محلہ دارالانوار سے آگے کچھ فاصلہ پر قریباً ساڑھے پانچ کنال قطعہ قابل فروخت ہے۔

ضرورتمند احباب ذیل کے پتہ پر خط و کتابت کریں

نمبر ۳ معرفت مینیجر صاحب الفضل قادیان

آپکو اولاد نرینہ کی خواہش ہے؟

حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کا تحریر فرمودہ نسخہ! جن عورتوں کے ہاں لڑکیاں ہی لڑکیاں پیدا ہوتی ہوں۔ ان کو شروع سے ہی دوائی

"فضل الٰہی"

دینے سے تندرست لڑکا پیدا ہوتا ہے۔

قیمت مکمل کورس ۱۵ روپے

مناسب ہوگا۔ کہ لڑکا پیدا ہونے پر ایام رضاعت میں ماں اور بچہ کو انھرا کی گولیاں دی جائیں جن کا نام

"ھمدرد نسواں"

ہے۔ تاکہ بچہ آئندہ مہلک بیماریوں سے محفوظ رہے

ملنے کا پتہ

دواخانہ خدمت خلق قادیان۔ پنجاب

ضرورت زمین

شیخ عبد الغنی صاحب احمدی دو کنال زمین قادیان میں خریدنا چاہتے ہیں۔ ریلوے روڈ پر مل سکے تو اس کو ترجیح دی جائے گی۔

خط و کتابت معرفت مفتی محمد صادق صاحب قادیان

موتی

بنارس سے ایک معزز دوست اپنے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:
"میرے ایک دوست نے بیان کیا۔ کہ ان کو لاہور میں کسی حکیم صاحب نے نزلہ زکام سے بچنے کیلئے موتی گلاب میں کوٹ کر کھانے کو کہا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ وہ بالکل اچھے ہیں۔ اور اب زکام نزلہ قریب بھی نہیں پھٹکتا۔ حالانکہ سردی میں پھنستے تھے"۔ اس پر انہوں نے ہم سے موتی طلب فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ موتی ساٹھ روپے تولہ کے حساب سے ارسال کر دیں۔ اصلی موتی ملنے کا پتہ۔ مطب عجائب گھر قادیان

متفقہ فیصلہ

دنیا کے بڑے بڑے اطباء اور ڈاکٹروں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اسّی فیصدی بیماریاں دانتوں کی خرابیوں سے پیدا ہوتی ہیں یہانتک کہ تپ دق اور سل جیسی مہلک امراض کا ایک سبب پائیوریا ہوتا ہے۔

عزیز کاربالک منجن

خدا کے فضل سے دانتوں کی تمام بیماریوں کو جڑ سے اکھیڑ دیتا ہے اور دانتوں کو صاف و مضبوط کرتا ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ غیر ملکی ڈنٹل کریموں کے مقابل میں بہت ارزاں یعنی قیمت فی اونس ایک روپیہ پانچ اونس کے خریدار کو ڈاک کا خرچ معاف

لوکل ایجنٹس:- (۱) کریم میڈیکل سٹورز (۲) فضل براورز (۳) جنرل سروس کمپنی (۴) شیخ محمد اکرام صاحب تاجر۔

عزیز کاربالک منجن سٹورز ریلوے روڈ قادیان

عرق نور (رجسٹرڈ)

ضعف جگر، بڑھتی ہوئی تلی اور یرقان کو دور کرنے کے علاوہ معدہ اور جگر میں طاقت پیدا کرتا ہے۔ پٹھوں کو اور جوڑوں کی درد کو دور کر کے مضبوط بناتا ہے۔ ضعف جنسی۔ کمزوری اعصاب کو دور کرتا ہے۔ غذا کو ہضم کر کے خون صالح پیدا کرتا ہے دائمی قبض کو رفع کر کے سچی بھوک پیدا کرتا ہے نیز معدہ اور پھیپھڑوں کی اصلاح کرتا ہے۔ پرانی کھانسی درد کمر، خارش، دم پھولنا، گھبراہٹ اور سستی و کاہلی کو رفع کرتا ہے۔ عرق نور رنگ سرخ، خون میں صفائی اور جسم میں فولادی طاقت اور وزن میں زیادتی پیدا کر کے آئندہ بہت سی بیماریوں سے بچانے اور طاقت کو قائم رکھنے کیلئے اکسیر ہے۔ عرق نور عورتوں کیلئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے بانجھ پن کی بینظیر دوا ہے۔ اسکے استعمال سے ایام ماہواری کی درد شرطیہ طور پر دور ہو جاتی ہے۔ خون کی کمی اور بیٹھی اور بے قاعدگی کو دور کر کے رحم کو قابل تولید بناتا ہے۔ قیمت فی پیکٹ ۱۶ خوراک ۸/ محصول ڈاک علاوہ

المشتہر:- ڈاکٹر نور بخش اینڈ سنز عرق نور قادیان

کوئین ٹیبلٹس ٹکیاں

ملیریا سے بچنے کیلئے بہترین دوا ثابت ہو چکی ہے

.. انجیمہ ۲ روپے۔ محصول ڈاک ۹ دوشیشی تک

دی کوئین سٹورز قادیان

سپاڈومین

ہسٹیریا اور تمام امراض دماغی اور اعصابی کی بہترین دوا ہے۔

دواخانہ طب جدید قادیان